اس لیے معاشرتی فلاح کے ساتھ ساتھ خود اپنے وجود کی بقا کے لیے مسلمانوں کو اسلام کے صحیح تعارف، انفرادی طور پر خود اور اپنے خاندان اور معاشرہ میں اسلامی اخلاقی اقدار کے رواج کے لیے ایک حکمت عملی آج وضع کرنی ہوگی تاکہ کل جب وہ سیاسی حیثیت سے ایک فیصلہ کن عددی مقام رکھتے ہوں تو ان کے نظریاتی اثرات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یہ حکمت عملی تعلیمی اور معاشرتی میدانوں میں وضع کرنی ہوگی کیونکہ ایک لادینی سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیلی کا مؤثر راستہ یہی ہے۔

امریکہ کی مسلم آبادی سے ملیے

جان زوگبی

۱۸۷۰ء کے اواخر میں سان فرانسیسکو میں امریکن ورکنگ مینز پارٹی کے ڈینس کیئرنی نے بندرگاہ پر کام کرنے والے اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہا "Imeriky fer de Imarikans: bejabers" (امریکہ، امریکیوں کا ہے، غیر ملکی چلے جائیں) کیئرنی جس نے خود بھی حال ہی میں نقل مکانی کی ہے، وہ اور اس کا گروہ چینی مہاجروں کے کیلیفورنیا میں داخلے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ کچھ سال بعد جب ''چینی قانون انخلاء'' منظور ہو گیا تو وہ آخر کار کامیاب ہو گئے۔

امریکہ ایک عظیم ملک ہے لیکن یہاں بھی ایسے لمحات آتے ہیں جب غیر ملکیوں سے نفرت وحقارت بڑھ جاتی ہے۔ ۱۸۴۰ء اور ۱۸۵۰ء کے کیتھولک مخالف جذبات اور انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں مشرقی اور جنوبی یورپ سے آنے والے نئے مہاجرین کے ساتھ ہونے والے معاندانہ سلوک بالآخر ۱۹۲۰ء میں نقل مکانی پر سخت پابندیاں عائد کر دینے پر منتج ہوا۔ جرمن مخالف جذبات دوسری جنگ عظیم میں نہ صرف قانونی بلکہ غیر قانونی کارروائیوں کا پیش خیمہ بنے۔ اپنی آزاد خیالی کے باوجود بھی فرینکلن۔ ڈی۔ روزویلٹ نے امریکی شہریت رکھنے والے جاپانیوں کی نظر بندی کا حکم دے دیا تھا۔

۱۱ ستمبر کے ہولناک واقعہ کے بعد امریکہ کی مسلم آبادی پہلی دفعہ عوام الناس میں متعارف ہوئی۔ امریکی مسلمانوں نے جو کہ ایک نیا گروہ بالکل نہیں ہیں اپنی پہلی مسجد ۱۹۳۴ء میں سیڈار ریپڈس (Cedar Rapids) میں بنائی۔ اور ہم میں سے اکثریت علیجاہ محمد، میلکم ایکس، اور لوئس فرح خان جیسی شخصیات کی وجہ سے افریقی امریکی مسلم کمیونٹی سے بخوبی واقف ہو گئی۔ آج امریکی مسلمانوں کی تعداد شاید سات ملین

* John Zogby, "In Sha'allah, Meet America,s Muslim Community", *The Public Perspective*, Vol.13, No. 4 - July/August 2002.

تک ہے (اصل تعداد معلوم کرنا مشکل ہے) اور بڑے امریکی شہروں اور علاقائی اور ملکی عام ملازمتوں میں ان کی تعداد واضح طور پر بڑھ رہی ہے۔

۱۱ ستمبر کے فوراً بعد کے دنوں میں سینکڑوں مسلم مخالف، عرب مخالف ایذا رسانی وتشدد اور نسلی امتیاز کے کیس FBI، علاقائی پولیس اور دوسرے حکومتی اداروں میں درج کرائے گئے۔ صدر جارج - ڈبلیو- بش اور دوسرے عہدیدار مثلاً نیویارک شہر کے میئر روڈولف گیولیانی اپنے شہریوں کو اس قوم کے عظیم اصولوں کو یاد رکھنے کا کہتے رہے اور یہ بتاتے رہے کہ ہم اسلام یا تمام عربوں کے خلاف جنگ نہیں کر رہے۔

اس سانحہ کے نتیجے میں اٹھنے والی غیر ملکی تارکین وطن سے بیزاری اور نفرت کی ایک اور لہر سے بچنے کی ایک کوشش کے سلسلے میں جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں ''امریکن پبلک اسکوئر میں مسلمان'' نامی ایک ادارہ نے ''زوگ بائی انٹرنیشنل'' کے ذریعے امریکی مسلمانوں پر ایک تفصیلی قومی سروے کیا ۸ تا ۱۹ نومبر تک ۱۷۸۱ لوگوں کا سروے کر کے اپنے امریکی ساتھیوں (امریکی مسلمانوں) کے اس نسبتاً غیر معروف گروہ کے طرز، رویہ، شرح اموات و پیدائش اور طرز زندگی کے بارے میں گہری تفتیش کرنا تھا۔

اس سروے کی کارروائی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بے شک امریکی مسلمانوں سے ہم پہلے بھی کئی مرتبہ رائے شماری کر چکے تھے، لیکن ۱۱ ستمبر کے بعد موجودہ حالات میں جوابدہی کی کم شرح اور شک وشبہ کے پرانے مسائل میں اضافہ ہو گیا۔

۱۹۹۰ء کے عشرے کے وسط میں قومی اسلامی اداروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہم نے امریکہ میں مسلمانوں کے خاندانی ناموں کی ایک تفصیلی فہرست بنائی تھی۔ پھر ہم نے ان خاندانی ناموں کو پورے ملک میں اندراج شدہ ٹیلی فون نمبروں سے ملایا۔ کچھ کچھ سالوں کے وقفے سے ہم اس فہرست کو مختلف طریقوں سے پرکھتے رہے اور ہم نے اس کو درست ہی پایا۔ لیکن اس میں کچھ خامیاں بھی تھیں:

- کئی امریکی مسلمان اور خاص طور پر افریقی امریکی اور قبول اسلام کرنے والے دوسرے پیدائشی امریکیوں کے خاندانی نام (Sarname) مسلمانوں والے نہیں ہیں۔
- امریکی افریقی مسلمان خاص طور پر سوالات کا جواب دینے سے کتراتے ہیں (بشمول امریکی مردم

شماری)

(ٹیلی فون پر سروے کے بعد ہم نے بالمشافہ انٹرویو لینے کے لیے اپنے نمائندوں کو نیویارک، لاس انجلس، ایٹلانٹا، ڈی ٹروائٹ اور واشنگٹن کی افریقی امریکی مسلمانوں کی مساجد اور اسلامی سینٹروں میں بھیجا۔ مدارس میں رقوم دینے اور اسلامی سینٹروں کے ارکان کو معاوضہ دینے کے باوجود بھی ہمارے محققین اپنے ہدف تک نہ پہنچ سکے۔)

☆ زیادہ تر مسلم تارکین وطن جمہوری ممالک سے نہیں آئے۔ لہٰذا کسی کا ان کو فون کر کے یا ان کے دروازے پر جا کر ذاتی نوعیت کے سوال کرنا ان کے خیال میں اچھا نہیں۔

ان سب مشکلات کے باوجود یہ سروے تعلیمی اداروں، حکومتی ایجنسیوں، بلدیہ کے رہنماؤں اور ایسے دوسرے امریکیوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی جو ملک میں سب سے تیزی بڑھنے والے مذہبی گروہ کے لوگوں کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ نتائج سے پتا چلتا ہے کہ امریکی مسلمان امریکی عوامی زندگی میں مکمل حصہ لینے کا بہت اشتیاق رکھتے ہیں۔

جبکہ ۱۱ ستمبر کے بعد پیش آنے والے امتیازی رویے، میڈیا پر مسلمانوں کی منفی تصویر کشی اور امریکی معاشرہ کی اخلاقیات کے اچھا یا بُرا ہونے کے بارے میں مسلمانوں کی جذباتی کشمکش کی وجہ سے یہ اشتیاق مدھم پڑ گیا ہے۔

امریکی مسلمان کون ہیں؟؟ یہ بنیادی طور پر جوانوں کا ایسا گروہ ہیں۔ سروے میں شامل لوگوں کی تین چوتھائی اکثریت (۷۴ فیصد) ۵۰ سال سے کم عمر ہے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہیں جیسا کہ تقریباً ۵۸ فیصد نے ہمیں بتایا کہ وہ کالج گریجوایٹ ہیں۔

امریکی مسلمانوں کی وجہ سے ملک کی ہیئت یکسر بدل جاتی ہے۔ سروے میں شامل لوگوں کا ۸۷ فیصد عربوں، افریقیوں، امریکی شہرت والے افریقوں اور جنوبی ایشیائی لوگوں پر مشتمل ہے۔ امریکہ سمیت ۸۰ ممالک کے لوگ سروے میں شامل تھے۔ وہ جو جو پیدائشی امریکی نہیں ان میں ۶۱ فیصد لوگ ۱۹۸۰ء کے بعد امریکہ آئے۔ ۳۶ فیصد ۸۹-۱۹۸۰ء کے دوران اور ۲۴ فیصد ۱۹۹۰ء سے آج تک۔ ۳۹ فیصد نے کہا کہ وہ مشرقی امریکہ میں رہتے ہیں۔ ۵۰ فیصد نے بتایا کہ وہ پچاس ہزار ڈالر سالانہ سے زیادہ

کماتے ہیں اور ہر دس میں سے سات یعنی تقریباً ۶۹ فیصد شادی شدہ تھے۔

مسلمانوں کی تصویر کشی میں ذرائع ابلاغ کی حقیقت پسندی

سوال: کیا آپ کے خیال میں ذرائع ابلاغ / ہالی ووڈ مسلمانوں اور اسلام کی تصویر کشی کے بارے میں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں؟

ہالی ووڈ	ذرائع ابلاغ / میڈیا
ہاں = ۱۳ فیصد	ہاں = ۲۵ فیصد
نہیں = ۷۷ فیصد	نہیں = ۶۸ فیصد
معلوم نہیں = ۱۰ فیصد	معلوم نہیں = ۷ فیصد

نوٹ: سوال صرف مسلمانوں سے کیا گیا۔

ذریعہ: زوگ بائی انٹرنیشنل کا سروے، ۸ تا ۱۹ نومبر ۲۰۰۱ء

نسلی سیاسیات امریکی سیاست کی ایک روایت ہے اور ہمارے اکثر شہروں میں بہت مستحکم ہے۔ جو چیز امریکی مسلمانوں کو دلچسپ بناتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی خاص سیاسی جماعت سے منسلک نہیں ہوتے بلکہ کبھی ایک طرف ہوتے ہیں کبھی دوسری طرف۔ سروے میں شامل ۴۰ فیصد لوگ ڈیموکریٹ، ۲۳ فیصد ری پبلکن اور ۲۸ فیصد آزاد تھے۔

ایک اور پہلو جو واقعی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ امریکی مسلمانوں میں ووٹ ڈالنے کا رجحان ہے۔ سروے میں شامل ۷۹ فیصد لوگوں نے ووٹ کا اندراج کروایا ہوا تھا۔ ۸۵ فیصد نے کہا کہ امید ہے کہ وہ بھی کروالیں گے۔ ووٹ نہ اندراج کرانے والے لوگوں میں سے ۵۳ فیصد نے کہا کہ ایسا اس لیے ہے کیونکہ وہ شہری نہیں ہیں لیکن ۱۷ فیصد نے بتایا کہ وہ ووٹر بننے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ امر حیران کن نہیں ہے کہ دونوں جماعتیں مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ سروے میں شامل امریکی شہریت والے افریقیوں کی اکثریت (۵۵ فیصد) نے نومبر ۲۰۰۰ء میں الگور کو ووٹ دیا جبکہ عربوں کی اکثریت (۵۴ فیصد) اور جنوبی ایشیائی اکثریت (۴۹ فیصد) نے جارج - ڈبلیو-

بش کو ووٹ دیا۔

امریکہ میں مسلمانوں کی کسی ایک سیاسی نظریہ کے مطابق گروہ بندی نہیں کی جاسکتی۔ ایک تہائی سے کچھ اوپر (۳۶ فیصد) لوگوں نے اپنے آپ کو اعتدال پسند (درمیانہ) طبقہ ظاہر کیا۔ ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ (۲۷ فیصد) لوگوں نے کہا کہ وہ آزاد خیال لوگوں کے گروہ میں آتے ہیں اور ۲۱ فیصد نے کہا کہ وہ قدامت پسند ہیں۔ بہرحال جیسا کہ میری کمپنی نے پایا کہ باقی نسلی گروہوں کی نسبت مسلمان مالی معاملات میں آزاد خیال لیکن معاشرتی معاملات میں قدامت پسندی کا رجحان رکھتے ہیں وہ کئی مسائل میں حکومت کی بڑی بڑی پیشکشوں کی حمایت کرتے ہیں مثلاً سروے میں شامل ۹۳ فیصد لوگوں نے کہا کہ وہ عالمی حفظان صحت پروگرام کے حامی ہیں اور ۹۳ فیصد نے حکومت کی طرف سے غریبوں کی کثیر مالی معاونت کی حمایت کی۔

لیکن ۶۸ فیصد لوگوں نے موت کی سزا، ۵۷ فیصد نے اسقاط حمل کا حصول مشکل کرنے، ۶۵ فیصد نے فحش نگاری کی نمائش اور فروخت پر پابندی، ۵۳ فیصد نے نماز کی اجازت، ۵۹ فیصد نے قومی سکولوں میں Ten Commandments کی نمائش، ۶۸ فیصد نے اپنے بچوں کو نجی سکولوں میں بھیجنے کے لیے حکومتی ادائیگی کی حمایت کی۔ ۷۱ فیصد نے ہم جنسوں کی شادی اور ۶۱ فیصد نے ڈاکٹر کی مدد سے خودکشی کی مخالفت کی۔

کئی سالوں تک امریکی مسلمانوں کے وجود کو زیادہ محسوس نہیں کیا گیا۔ لیکن اب ایسی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ سروے میں شامل لوگوں کی ایک بڑی شرح امریکی سیاسی اور شہری زندگی میں حصہ لینے کا شوق رکھتی ہے۔ وہ سیاسی نظام میں دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ جیسا کہ ۳۴ فیصد نے بتایا انہوں نے سیاسی ویب سائٹس دیکھی ہیں اور ۳۳ فیصد نے بتایا کہ انہوں نے سیاسی لیڈروں کو وقت یا سرمایہ دیا ہے۔ ۴۵ فیصد نے بتایا کہ انہوں نے کسی مقصد مثلاً ماحول کی حمایت کی خاطر اپنی زندگی بدل دی۔ ۴۳ فیصد نے کہا کہ سیاست میں حصہ لینا بہت اہم ہے۔

تقریباً تمام مسلمانوں نے (۹۶ فیصد) نے اتفاق رائے سے غیر مسلم سماجی پروگراموں مثلاً بے گھر افراد کی مدد، ۹۶ فیصد نے شہری تنظیموں میں زیادہ شریک ہونے کی کوششوں، ۹۳ فیصد نے امریکی سیاسی

عمل میں حصہ لینے کی حمایت کی۔

قومی مصروفیات میں شمولیت

سوال: کیا آپ نے کبھی وقت یا سرمایہ سے سماجی خدمات کی ہیں؟ یا کبھی مندرجہ ذیل میں سے ایک شعبہ کے کسی ادارہ میں کسی عہدہ پر فائز رہے ہیں؟

سماجی خدمات	فیصد
غریبوں، بیماروں، بوڑھوں یا بے گھروں کے لیے کسی تنظیم میں	۷۷
کسی مسجد یا کسی دوسری مذہبی تنظیم میں	۷۱
سکولوں یا نوجوانوں کے کسی پروگرام میں	۶۹
کسی پیشہ ورانہ تنظیم میں	۴۶
کسی قریبی شہری یا کمیونٹی گروہ میں	۴۵
فنون لطیفہ یا ثقافتی تنظیم میں	۴۲
کسی نسلی تنظیم میں	۳۶
کسی مسلم سیاسی سرگرمی یا عوامی امور کی تنظیم	۳۳
کسی سپاھیانہ/جنگی یا فوجی تنظیم میں	۲۴
کسی ٹریڈ یونین یا لیبر یونین	۱۷

فیصد نمبر ان لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں جنہوں نے بتایا کہ انہوں نے کبھی وقت یا سرمایہ سے سماجی خدمت کی ہے یا ایسے کسی ادارہ میں عہدیدار رہے ہیں یا دونوں۔

نوٹ: سوال صرف مسلمانوں سے پوچھا گیا۔

ذریعہ: زوگ بائی انٹرنیشنل، ۸تا۱۹ نومبر ۲۰۰۱ء

لیکن امریکی زندگی میں حصہ لینے کے باوجود بھی سروے میں شامل لوگ اس ملک کی زندگی کی کچھ باتوں کو نامناسب گردانتے تھے۔

اکثریت ۵۴ فیصد کے خیال میں (جن میں سے ۷۰ فیصد مہاجر ہیں) امریکی معاشرہ غیر اخلاقی نہیں لیکن ایک واضح بڑی تعداد (۴۹ فیصد پیدائشی امریکی مسلمانوں اور ۵۷ فیصد افریقی امریکی لوگوں) کے خیال میں امریکی معاشرہ غیر اخلاقی ہے۔

مذہبی معاملات میں سروے میں شامل لوگ باقی عام لوگوں کی طرح ہی دکھائی دیے۔ انہوں نے خدا اور مذہبی عقائد سے مخلص ہونے کا اظہار تو کیا جبکہ عبادت گاہوں میں کم ہی جاتے تھے۔ نصف تعداد میں لوگ (۴۹ فیصد) پچھلے ہفتے میں مساجد میں گئے اور نصف (۵۰ فیصد) نہیں گئے۔

مجموعی طور پر، تمام امریکی مسلمانوں (۴۸ فیصد) کی نسبت ۱۸ تا ۲۴ سال تک کے نوجوانوں (۱۶۲ فیصد) اور افریقی مسلمان امریکیوں (۶۹ فیصد) میں مساجد میں ہونے والی سرگرمیوں میں شرکت زیادہ ہے۔ ۴۷ فیصد لوگ یعنی تقریباً نصف لوگوں نے بتایا کہ وہ پوری پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ۱۰ میں سے ۸ لوگوں نے یعنی تقریباً ۷۹ فیصد نے بتایا کہ اسلام اور روحانیت روزمرہ زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ۵۷ فیصد کے خیال میں مساجد کو سماجی اور سیاسی مسائل پر اپنے نظریات کا اظہار کرنا چاہیے۔

مختلف قومی رائے شماریوں سے معلوم ہوا کہ ۱۱ ستمبر کے خوفناک واقعات پر امریکی مسلمانوں کا ردعمل کچھ پہلوؤں سے عام امریکیوں جیسا تھا اور کچھ پہلوؤں سے ان سے مختلف۔

مثال کے طور پر ہمارے سروے میں ۵۸ فیصد لوگوں نے صدر بش کی اس مسئلہ پر حکمت عملی کو درست قرار دیا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں C.B.S نیوز کے زیر اہتمام تقریباً اسی وقت ملک کے بالغ شہریوں پر ہونے والی تحقیق میں ۸۵ فیصد لوگوں نے صدر بش کی حکمت کو درست قرار دیا تھا۔ ۶۶ فیصد یعنی تقریباً دو تہائی مسلمانوں نے بش انتظامیہ کی اس یقین دہانیوں سے اتفاق کیا کہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں دہشت گردی کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ جبکہ پیو ریسرچ سینٹر (Pew Research denter) اور کونسل آن فارن ریلیشن کے زیر اہتمام ۱۵ تا ۲۱ اکتوبر کے دوران ہونے والی ایک ریسرچ کے مطابق ۶۳ فیصد امریکیوں کے خیال میں جنگ کی حیثیت ایک چھوٹے انتہا پسند گروہ کے ساتھ تنازعہ کی ہے نہ کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں اور اسلام کے حامیوں کے درمیان ایک بڑے تنازعہ کی۔

صدر بش کی حکمت عملی کو درست قرار دینے کے باوجود بھی ۶۱ فیصد امریکی مسلمان یہ محسوس کرتے

تھے کہ حملوں سے اجتناب بھی کیا جا سکتا تھا۔ A.B.C نیوز واشنگٹن پوسٹ کے زیر اہتمام ۱۳ ستمبر کو ہونے والی رائے شماری میں قوم کے ۶۵ فیصد بالغ شہریوں نے اتفاق کیا کہ حکومت حملوں کو روکنے کے لیے مزید بھی کچھ کر سکتی تھی۔ تقریباً دو تہائی ۶۴ فیصد مسلمانوں کے خیال میں فوجی کارروائیاں مزید حملوں کو جنم دے سکتی ہیں۔ مقابلتاً ۱۷ اکتوبر کو A.B.C نیوز واشنگٹن پوسٹ کے زیر اہتمام ہونے والی رائے دہی میں ۵۵ فیصد امریکیوں نے کہا کہ افغانستان پر فضائی حملہ کی وجہ سے دہشت گردی کے حملوں کا امکان بڑھ جائے گا۔

۱۳ تا ۱۶ اکتوبر کو لاس اینجلس ٹائمز کے زیر اہتمام ہونے والی رائے دہی میں ۵۸ فیصد لوگوں نے اظہار کیا کہ حملے امریکی پالیسی کا براہ راست نتیجہ ہیں جبکہ اس کے برخلاف ۷۸ فیصد مسلمانوں کو یقین تھا کہ مشرق وسطیٰ کے لیے امریکی خارجہ پالیسی ہی ان حملوں کا سبب بنی ہے۔ ۶۷ فیصد مسلمانوں نے تجویز کیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے کا بہترین طریقہ مشرق وسطیٰ کے لیے امریکہ پالیسی تبدیل کرنا ہے۔ جبکہ ۳ تا ۵ نومبر کو زوگ بائی انٹرنیشنل کے زیر اہتمام ہونے والی رائے دہی میں ۶۴ فیصد رجسٹرڈ ووٹروں نے کہا کہ عمومی طور پر پالیسی کی تبدیلی ہی پر اثر ہو سکتی ہے۔

حملہ کے مجموعی طور پر پورے ملک پر ہونے والے اثرات کے علاوہ، بلاشبہ سروے میں شامل مسلمان اس مسئلہ پر بھی متفکر تھے کہ وہ بحیثیت گروہ اس سے کس طرح متاثر ہوں گے۔ اکثریت ۵۷ فیصد نے کہا کہ ۱۱ ستمبر کے بعد مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ امریکیوں کا رویہ مخالفانہ ہو گیا ہے۔ ۵۲ فیصد نے کہا کہ ۱۱ ستمبر کے بعد سے ان کے علاقہ کے افراد، کاروبار اور مذہبی تنظیمیں امتیاز کا شکار ہیں۔ سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حربہ بدکلامی تھا جو کہ ۲۵ فیصد لوگوں نے برداشت کیا۔

مختصر یہ کہ ۱۱ ستمبر سے پہلے امریکی مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل اس حادثہ کے بعد نہ صرف تعداد میں زیادہ ہو گئے بلکہ شدید بھی ہو گئے۔ آئرش، پولینڈ کے باشندوں، یہودیوں اور افریقیوں کی طرح اس بڑھتے ہوئے گروہ نے اپنی حیثیت منوانے کے لیے بڑی جدوجہد کی تھی اور اب اس کو نئے مسائل کا سامنا تھا۔

لیکن ڈینس کیرنی کی طرح ہمیں یہ بات بھولنی نہیں چاہیے بلکہ یاد رکھنی چاہیے کہ تقریباً ہم سب